محدث اعظم پاکستان

مولانا محمد سردار احمد

رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد

محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمدؒ

وہ سرتاپا عشقِ رسول ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے

1925ء کے قرب و جوار کا زمانہ ہے، باغات کا شہر لاہور، امن، محبت، تسکین، علم وعرفان کی بستی، مخدومِ اُمم حضرت داتا گنج بخشؒ کی نگری کی ایک مسجد انوار وتجلیاتِ ربانی کا مرکز ومحور بنی ہوئی ہے۔ آج کی شب داتا نگریا میں بریلی، مرادآباد اور ہندوستان کے دوسرے شہروں سے بہت سے علماء ومشائخ کی کہکشاں سجی ہے۔ حزب الاحناف کے پنڈال میں علم ومعرفت کی خوشبوئیں بکھیری جارہی ہیں۔ تمام سامعین پوری توجہ اور ذوق وشوق سے مہمان مقررین کے خطابات سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ ان میں ایک نوجوان بھی ہے جو ایف اے کا طالب علم ہے۔ دیال گڑھ گورداسپور کے ایک جاٹ خاندان کا یہ خوبرو، جواں سال اور گبھرو جوان آج علماء کرام کی زیارت اور ان کے بیانات سننے کے لیے کشاں کشاں چلا آیا ہے۔ اولیاء کرام سے محبت اور دینی شغف اس کے خمیر میں موجود ہے، جسے اس کے نیک اور صالح والدین نے خوب اچھے انداز میں پروان چڑھایا ہے۔ جلسہ اپنے عروج اور انتہائے کمال کی جانب بڑھ رہا ہے۔ مرادآباد سے آئی ہوئی ایک عظیم ہستی مفسر قرآن صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی سٹیج سے اعلان کرتے ہیں کہ شہزادہ اعلیٰ حضرت حجتہ الاسلام علامہ حامد رضا خان بریلوی تشریف لا رہے ہیں۔ القاب اور آداب سن کر یہ نوجوان سوچ رہا ہے کہ یہ اعلان کرنے والی شخصیت اتنی ارفع واعلیٰ ہے تو آنے والا مہمان کیسا صاحبِ کمال ہوگا؟ اور پھر جب حجتہ الاسلام تشریف لائے تو ان کی وجاہت، جلالت، اور نورانی مکھڑا دیکھ کر وہ نوجوان ساکت ہوکر رہ گیا۔ انکا رعب اور

محبت آنکھوں سے ہوتے ہوئے روح کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ اگلے دن یہ نوجوان ایک فیصلہ کر چکا تھا، وہ حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں بریلویؒ کی قیام گاہ پر پہنچا اور عرض کرنے لگا کہ میں کالج کی دنیا کو الوداع کہہ آیا ہوں، اب میں آپ کی زلف کا اسیر ہوں، آپ کی نظر کرم کا طلب گار ہوں۔ اب میں دین کے بحر بیکراں سے گوہر تلاش کروں گا۔ اپنی شبستان کو علومِ دینیہ کی شمع سے فروزاں کروں گا۔ اپنے گلشن میں عشقِ رسول ﷺ کی بہاروں سے حیاتِ نو پیدا کروں گا، حضرت نے فرمایا کہ ایک دو دن مزید سوچ لو، پھر فیصلہ کر لینا۔ لیکن یہ نوجوان کشتیاں جلا کر آیا تھا، اب واپسی کا سوال کہاں؟ چنانچہ اجازت ملی تو وہ اگلے دن بریلی کی منزل کا راہی تھا۔ اس نوجوان کا نام ہے سردار محمد جسے آج زمانہ قبلہ شیخ الحدیث محدثِ اعظم پاکستان محمد سردار احمدؒ کے نام سے جانتی ہے۔

محدثِ اعظم پاکستانؒ کی شخصیت اوصافِ جمیلہ اور کمالاتِ حسنیٰ کا ایک رنگا رنگ گلدستہ تھی۔ وہ عالمِ دین تھے تو ایسے کہ علم کا ایک سمندر ان کے اندر ٹھاٹھیں مارتا تھا، تفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ سب میں مکمل عبور حاصل تھا۔ مگر علم حدیث پر انہیں جو دسترس حاصل تھی، اس کی مثال عصرِ حاضر میں ملنا محال ہے۔ خطیب اور مقرر ایسے کہ گھنٹوں لگاتار خطاب کرتے رہتے مگر مجال ہے کہ کوئی سامع بھی اکتاہٹ کا شکار ہو۔ مدرّس ایسے کہ علم و معرفت کے متلاشی شرق و غرب سے کھچے چلے آتے ہیں۔ اور آپ کے بحر بیکراں سے سیراب ہو کر خود بھی علم کا دریا بن جاتے ہیں۔ زہد و تقویٰ اور اخلاص کا یہ عالم کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت پر بھی عمل کرتے ہیں۔ شریعت کے اتنے پابند کہ گفتار و کردار اور قول و فعل میں لمحہ لمحہ شرع کا پاس ہے۔ سفر، حضر، تندرستی، بیماری، غمی ہو یا خوشی کسی حال میں بھی شریعت کا دامن نہ چھوڑا۔ ادب و احترام کا یہ عالم کہ اپنے استادِ محترم کی جوتیاں پکڑانے کے لیے بھاگم بھاگ جاتے ہیں۔ طلبا اور تلامذہ کو بھی

مولانا یا حافظ صاحب کہہ کر بلاتے ہیں۔ سادات طلباء کے لیے خصوصی اہتمام وانعام فرماتے ہیں۔ اور سب سے امتیازی وصف یہ کہ آپ ایسے عاشقِ رسول ﷺ ہیں کہ ان کا اوڑھنا بچھونا، چلنا پھرنا ہر ہر فعل عشقِ رسول ﷺ کی حلاوت سے مزین ہے۔ دل ہر دم یادِ مصطفیٰ ﷺ سے روشن، آنکھیں فراقِ مصطفیٰ ﷺ میں نم، اور لبوں پر ہر گھڑی ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

لَو مدینے کی تجلی سے لگائے ہوئے ہیں
دل کو ہم مطلع انوار بنائے ہوئے ہیں

محدثِ اعظم پاکستان کا تعلق مشرقی پنجاب کے شہر گورداسپور کے ایک قصبے دیال گڑھ سے تھا۔ آپ کے والد میراں بخش چشتی ؒ ایک سادہ، جفاکش، مخلص مگر صالح زمیندار تھے۔ والدہ انتہائی عبادت گزار، پرہیز گار اور اولیاء کرام کی محبت رکھنے والی خاتون تھیں۔ جنہوں نے حلم، رواداری، تواضع، انکساری، شفقت، غمگساری اور اخلاص کی دولت سے اپنے لاڈلے بیٹے کو مالا مال کر دیا تھا۔ شرم وحیا، متانت، سنجیدگی اور قناعت پسندی ان کی گھٹی میں شامل تھی۔

حضور محدثِ اعظم پاکستان ؒ دیال گڑھ کی مذکورہ بستی میں 1323ھ بمطابق 1905ء میں پیدا ہوئے۔ والدین نے آپ کا نام سردار محمد رکھا لیکن بریلی شریف میں آپ کو سردار احمد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنا نام محمد سردار احمد رکھ لیا۔ آپ کی کنیت ابوالفضل تھی جو آپ کے صاحبزادے فضل رسول کی پیدائش کے بعد مشہور ہوئی۔

نائب دینِ نبیؐ سردار احمد تیرا نام
یعنی تو فضل خدا سے قوم کا سردار ہے

سیہول جٹ خاندان تھا جو اپنی روایتی شرافت، حلیمی، دیانت اور تقوی کے

لیے مشہور تھا۔ مشائخ کرام سے خصوصی الفت تھی۔ اکثریت کی بیعت خاندانِ چشتیہ سے تھی اور حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی ؒ سے خاص محبت اور لگاؤ تھا۔ آپ کے والد گرامی چوہدری میراں بخش چشتی کاشتکاری کے شعبے سے منسلک تھے۔ وہ روایتی زمیندارانہ نقائص کے برخلاف غیبت، دھونس، بددیانتی اور پانی کی چوری وغیرہ سے پاک تھے۔ ان کی پورے علاقے میں کسی زمیندار سے مخالفت یا دشمنی نہ تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نیک سیرت، متقی اور نماز روزے کی پابند خاتون تھیں۔ ان کے دل میں حضور غوث پاک ؒ سے گہری اُلفت تھی۔

بچپن سے ہی حضور محدثِ اعظم پاکستان ؒ نیک طبع، فرمانبردار اور دینی رجحان کے مالک تھے۔ آپ کے ماموں زاد چوہدری ناظر حسین کے مطابق آپ کی پیشانی سے بچپن سے ہی خوش بختی اور سعادت مندی کا نور چمکتا تھا۔ آپ کی والدہ یہ دعا فرمایا کرتی تھیں۔ ''تمہارا نام سردار محمد ہے، اللہ تمہیں دین و دنیا کا سردار بنائے''۔ اور ایسا ہی ہوا کہ آپ دین و دنیا میں عظمت اور سرداری کے منصب پر فائز ہوئے۔

اوائل عمر سے ہی نماز کی پابندی فرماتے۔ آتے جاتے ذکر الٰہی اور نعت خوانی کرتے رہتے۔ جس سے آپ کے دینی ذوق اور طبعی رجحان کا پتہ چلتا تھا۔ دیہاتی روایت کے مطابق کشتی، کبڈی وغیرہ میں حصہ لیتے تھے مگر ستر پوشی کا پورا خیال رکھتے۔ کیونکہ قدرتی شرم و حیا وافر مقدار میں آپ کی فطرت میں موجود تھی۔ خود فرماتے ہیں:

> ''تین کاموں میں مجھے بچپن سے ہی پورے علاقے میں فوقیت حاصل تھی۔ تیراکی، دوڑ اور کشتی۔ مگر میں نے ہمیشہ ستر پوشی کا خیال رکھا۔ اور کبھی بھی ایسا لباس نہ پہنا جس سے میرے گھٹنے کھل جائیں''۔ (حیات محدثِ اعظم)

دینی ذوق اور تصوف سے رغبت آپ کو شروع سے ہی تھی۔ سکول کے زمانے میں ہی آپ نے ولی کامل سراج العارفین شاہ سراج الحق چشتی سے بیعت فرمالی تھی۔ اپنے پیرومرشد سے بہت محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے:

> ’’میرا دل چاہتا ہے کہ پیر ومرشد سراج الحق جیسا ہو جاؤں۔ (حیات محدثِ اعظم پاکستان ص6)

قرآن پاک کی ابتدائی تعلیم اور پرائمری سکول کی تعلیم مولانا ذوالفقار علی قریشی سے حاصل کی جو علاقے کے سکول میں صدر مدرس تھے۔ میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ پٹواری کا امتحان بھی پاس کیا لیکن ملازمت اختیار نہ کی۔ ایف۔ اے کا امتحان دینے لاہور آئے تو پڑھائی میں خوب منہمک ہوئے۔ اسی اثنا میں انجمن حزب الاحناف کے جلسے میں حاضری دی اور پھر حضور حجتہ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلویؒ کے رخِ پرنور کے فریفتہ ہوکر دینی تعلیم کے حصول کے لیے بریلی شریف پہنچ گئے۔

حضرت محدثِ اعظم پاکستان کو مولانا شاہ حامد رضا خاںؒ نے مدرسے کی بجائے اپنے آستانے پر ٹھہرایا اور اپنے بچوں کی طرح ان کا خیال رکھا۔ آپ نے ابتدائی کتابیں انہی سے پڑھیں کچھ کتابیں مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاںؒ سے پڑھیں۔ جن میں قدوری، کنز اور شرحِ جامی شامل تھیں۔ آپ مولانا سردار احمدؒ کے حصولِ علم کے جذبے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

> ’’میں جب ان کو دیکھتا پڑھتے دیکھتا۔ مدرسے میں، قیام گاہ پر، حتیٰ کہ جب مسجد میں آتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ اگر جماعت میں تاخیر ہوتی تو بجائے دیگر اذکار کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے‘‘۔

(حیات محدثِ اعظم، حافظ عطاء الرحمٰن قادری صفحہ 9)

حضرت محدثِ اعظم کے مطالعہ کا عالم یہ تھا کہ رات دیر تک گلی میں میونسپلٹی کے لیمپ کی روشنی میں پڑھتے رہتے۔ حضرت شاہ حامد رضاؒ کو اس بات کا علم ہوا تو مہتمم جامع کو ان کے لیے خصوصی لیمپ ان کے کمرے میں مہیا کرنے کا کہا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ انہیں رات کا کھانا مغرب کے فوراً بعد دے دیا جایا کرے تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ جاری رکھ سکیں۔

ان دنوں اجمیر شریف کے مدرسہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمیؒ علم کے گوہر لٹا رہے تھے۔ ان کی تدریس و تعلیم اور علم و فضل کا ڈنکا پورے ہند میں بج رہا تھا۔ حضور محدثِ اعظمؒ خاندانِ رضویہ کے دو شہزادوں کے ہمراہ اجمیر شریف پہنچ گئے۔ آفتاب ولایت عطاء رسول خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے آستانہ عالیہ پر وقت کے مہتاب علم وعرفان سے انہیں کیا کچھ عطا نہ ہوا ہوگا۔ بقول مفتی اعظم ہندؒ، پھر تو بحر العلوم کے پاس گئے اور خود بھی بحر العلوم ہو گئے“۔ گویا علم کی پیاس بجھانے علم کے سمندر کے پاس پہنچے اور اتنے سیراب ہو گئے کہ خود بھی علم کا سمندر بن گئے جن سے ہزارہا علم کے پیاسے فیضیاب ہوئے۔

حضور محدثِ اعظمؒ کے ذوق وشوق کو دیکھ کر ان میں بھی تدریس کا جوش ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ وہ انہیں ایک گھنٹہ اضافی پڑھاتے، جمعہ کے دن جب دیگر طلباء کو چھٹی ہوتی، ان کو پڑھاتے رہتے۔ یہاں تک کہ جب صدر الشریعہؒ سیر کے لیے باغ میں جاتے تو تعلیم و تدریس کا سلسلہ اسی طرح جاری رہتا کہ مولانا سردار احمدؒ کے ہاتھ میں کتاب ہوتی اور آپ اسباق کی تشریح کرتے جاتے۔ انفرادی مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ رات بھر پڑھتے رہتے اور بعض اوقات اسی عالم میں فجر ہو جاتی۔ مولانا معین الدین شافعیؒ بیان کرتے ہیں:

> ”جب آپ اجمیر شریف میں تعلیم حاصل کرتے تھے تو اس

> دوران آپ کی محنت کا یہ عالم تھا کہ نمازِ عشاء کے بعد آپ کتاب سامنے رکھ کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ کرتے رہتے یہاں تک کہ بعض اوقات فجر کی اذان ہو جاتی‘‘۔

اسی طرح ایک بار اجمیر شریف میں آپ کے سر میں شدید چوٹ آئی۔ اطباء نے مطالعہ سے منع کیا۔ لیکن آپ کو کتابوں کے بغیر چین اور سکون کہاں آتا تھا۔ آپ نے تکلیف کی پرواہ کیئے بغیر اسباق کا مطالعہ اور مدرسہ میں حاضری جاری رکھی۔

حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ اساتذہ کے ادب و احترام کا بہت خیال رکھتے۔ آپ کے ہم درس حافظ ملت حضرت عبدالعزیز مبارکپوری جو خود بھی بہت بڑے عالم دین اور ولی کامل تھے بیان کرتے ہیں۔ ’’حضرت صدر الشریعہ ہم دونوں کو خصوصی درس دیتے تھے۔ کلاس کے بعد جب استادِ محترم باہر جانے لگتے تو ہم دونوں میں یہ دوڑ لگ جاتی کہ آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے میں بازی کون لے جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم لڑ بھی پڑتے۔ بعد میں یہ طے ہوا کہ ہم ایک ایک جوتا سیدھا کر دیا کریں گے۔ تاکہ دونوں میں سے کوئی بھی فیض سے محروم نہ رہے‘‘۔

آپ کی دن رات کی محنت رنگ لائی اور آپ نے سالانہ امتحان میں احسن انداز میں پاس ہو کر درسِ نظامی کی سند اعزاز حاصل کی۔ اس کلاس میں آپ کے علاوہ مولانا عبدلعزیز مبارکپوری، مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی اور مولانا رفاقت حسین مظفر پوری بھی شامل تھے۔ یہ سب طلباء بعد میں علم و تدریس اور زہد و تقویٰ کے آفتاب بن کر چمکے اور ایک دنیا ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہوئی۔

آپ نے اسی سال 1352ھ/1933ء میں حضرت صدر الشریعہ سے حدیث کی تعلیم مکمل کی۔ اس طرح آپ نے دس سال سے بھی کم عرصہ میں علم کا دریا اپنے اندر سمولیا۔

دینی علوم کی اعلیٰ ترین اسناد حاصل کرنے کے بعد حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ نے دین کی خدمت کے لیے تعلیم و تدریس کا شعبہ منتخب کیا۔ مولانا عطاء الرحمٰن قادریؒ لکھتے ہیں:

> ”حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ بے مثل محدث، عظیم فقیہ، کہنہ مشق مدرس، کامیاب مناظر، بالغ نظر مفتی، بہترین مصنف اور اعلیٰ پائے کے خطیب تھے، چاہتے تو دین کی خدمت کے لیے تدریس کی بجائے کوئی اور میدان منتخب کر لیتے لیکن اس شعبہ میں قحط الرجال کو دیکھتے ہوئے اپنے استاد محترم حضرت صدر الشریعہ کی اتباع میں آپ نے خود کو دینی علوم کی تدریس کے لیے ہمہ تن وقف کر دیا“۔ (حیات محدثِ اعظم: ص 12)

آپ نے اپنا پہلا درس جامعہ منظرِ اسلام بریلی میں ہی دیا جو آپ کی مادر علمی بھی تھی۔ آپ کے محسن و مربی حضرت شاہ حامد رضاؒ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ وہ آپ کے اندازِ تدریس سے بے حد مسرور اور فرحاں ہوئے۔ افسوس شعبہ میں قحط الرجال تو اب بھی ہے اور حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ جیسا کوئی اور مدرس اور استاد دستیاب نہیں۔ آج محراب و منبر اور مسندِ تدریس آپ جیسے کسی بحر العلوم کی منتظر ہے۔

1356ھ/ 1938ء میں حضور محدثِ اعظم نے مولانا عبد العزیز مبارکپوری کے ساتھ مل کر بریلی میں ہی دار العلوم مظہر اسلام کی بنیاد رکھی۔ جس کی سرپرستی مفتی اعظمؒ نے فرمائی اور کچھ ہی عرصے میں یہ ادارہ عالم اسلام کا بہترین مدرسہ بن گیا جہاں طلبہ حصول علم کے لیے برصغیر کے کونے کونے سے آنے لگے۔ آپ نے قیام پاکستان تک تقریباً دس برس اسی دار العلوم میں علم کے دریا بہائے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے۔ بھکھی شریف ضلع

گجرات اور پھر گوجرانوالہ کے علاقے ساروکی میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلویؒ جو ان دنوں حج کی غرض سے دیارِ حرمین میں تھے، کی مشاورت سے اپنے لیے لائلپور جیسے شہر کو منتخب کیا۔ ولی کامل مفتیء اعظم ہندؒ کی چشم بصیرت یہ دیکھ رہی تھی کہ حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ کے لیے ترقی کرتا شہر ہی جہاں مہاجرین کثرت سے آباد ہوگئے تھے، مناسب ہے۔ آپ نے اپنے گھر پر ہی تدریس وتعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابتداء میں مفتی محمد امین شرقپور، مولانا معین الدین چشتی شافعی کراچی، مولانا عبدالقادر احمد آباد (گجرات کاٹھیاواڑ) اور مولانا ابوداؤد محمد صادق علی پورسیداں سے حصولِ علم کے لیے حاضر ہوئے۔

حضرت محدثِ اعظم نے 12/ربیع الاول 1369ھ بمطابق 2/جنوری 1950ء کو شاہی مسجد جھنگ بازار سے ملحقہ جگہ پر جامعہ رضویہ مظہر الاسلام کی عمارت کی بنیاد رکھی جو بعد میں درس وتدریس کا ایک عظیم ادارہ ثابت ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق اڑھائی سو طلباء ہر سال حصول تعلیم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی محنت شاقہ، اخلاص، طلبا سے مشفقانہ برتاؤ اور انتہائی اعلیٰ معیار کی تدریسی سرگرمیوں کی بدولت اہلِ شہر آپ کی طرف پروانہ وار کھنچے آئے اور ان طلبا کی رہائش اور طعام وقیام کا سلسلہ بآسانی حل ہونے لگا۔ آپ کے درس اور تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کا فروغ تھا۔ کیونکہ آپ سرتاپا عشقِ رسول ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جامعہ رضویہ سے ہزارہا طلباء نے فیض اٹھایا اور عالم اور فاضل بن کر ملک بھر کے کونے کونے میں علمِ دین کے انوار پھیلانے لگے۔ بیرونی ممالک میں آپ کے تلامذہ کی خدمات علمی شان کی حامل ہیں۔

حضور محدثِ اعظم پاکستان کو دو بار حج بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلی بار 1935ء میں علماء کی ایک بڑی تعداد کے ہمراہ حج کی

سعادت ملی۔ جن میں مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلویؒ، شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ، مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی، اور مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری لاہوری بھی شامل تھے۔ آپ شب و روز اذکار و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں باعث تخلیقِ کائنات فخرِ موجودات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو کیف و مستی سے دیوانہ وار اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؒ کا یہ شعر پڑھنے لگے۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

اس سفرِ حج کی خاص بات یہ ہے کہ آپ حج سے فراغت پانے کے بعد طائف کے شہر میں بھی گئے۔ اور آقائے کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس شہر کی گلیوں میں پرنم آنکھوں کے ساتھ پھرتے رہے۔ میں جب سوچتا ہوں کہ وہ شخص جو درس دیتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ کی مسکرانے یا آنسو بہانے کی کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر لیتا تھا جب طائف کی وادی میں پہنچا ہوگا تو اس کی کیفیت کیا ہو گی۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ وہ گلیوں بازاروں میں گھومتے ہوں گے تو جوتی کے بغیر ہوں گے اور رو رو کر عرض کرتے ہوں گے کہ آقا صلی اللہ علیک وسلم! ان گلیوں میں آپ پر پتھر برسائے گئے، آپ پر آوازے کسے گئے، آوارہ بچے آپ ﷺ کو ستاتے رہے۔ زخموں سے چُور مبارک ٹانگوں سے خون پاؤں میں موجود نعلین میں آ گیا ہوگا۔ آقا ﷺ! میں اس وقت یہاں موجود ہوتا تو اپنی پلکوں سے آپ ﷺ کے زخموں کی صفائی کرتا، آپ ﷺ کی طرف آنے والے پتھر اپنے ہاتھوں، سینے اور چہرے سے روک لیتا۔ کہیں سے ڈھونڈ کر آپ ﷺ کے لیے پانی لاتا، کہیں سے کھانے کا سامان لاتا۔ لیکن میری قسمت میں ایسا کہاں آج میں یہاں آپ ﷺ کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا پھرتا ہوں اور آپ ﷺ کے قدموں کی خاک کو اپنی

آنکھوں کا سرمہ بنانے کا آرزومند ہوں۔

دوسری بار حج بیت اللہ اور روضۂ انور پر حاضری کی سعادت 1956ء میں ملی۔ اس حاضری کو آپ دربار رسالت مآب ﷺ کی حاضری اور گنبدِ خضراء کی زیارت کا نام دیتے اور فرماتے کہ اس باسعادت حاضری کے سبب آپ کو حج بیت اللہ شریف کی سعادت بھی نصیب ہوسکے گی۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے

(امام احمد رضاؒ)

حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ نے تقریباً دس سال کی مدت میں تبلیغِ دین اور تدریس و تعلیم کا وہ عظیم کام کیا جو بڑے بڑے ادارے اور تنظیمیں کئی عشروں پر محیط عرصے میں کرتے ہیں۔ آپ نے علماء کرام، مقررین، مبلغین، مدرسین اور صاحبِ تصنیف فاضلین کی بڑی جماعت تیار کی۔ جنھوں نے شہر شہر قریہ قریہ دینی مراکز اور تدریسی مدارس قائم کیے، وعظ و تبلیغ کا کام کیا اور تصنیف و تالیف میں نام پیدا کیا۔ دن رات کی محنت شاقہ، اور وعظ و تقریر کے لیے دور دراز کے سفروں اور کام کی بہتات سے آپ کی صحت جواب دینے لگی اور آپ شوگر اور بلڈ پریشر کے امراض میں مبتلا ہوکر ستاون (57) سال کی مختصر عمر میں ہی وصال فرما گئے۔ آپ نے یکم شعبان 1382ھ بمطابق 29/دسمبر 1962ء کو جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب کراچی میں وصال فرمایا۔

کراچی میں آرام باغ میں لاکھوں عشاقِ مصطفیٰ ﷺ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ امامت کے فرائض علامہ عبدالمصطفیٰ الازہریؒ نے انجام دیئے جبکہ جید علماء کرام اور مشائخ عظام شامل تھے ان میں پیر سید عبدالقادر گیلانی سفیرِ عراق، علامہ عبدالحامد بدایونیؒ صدر جمعیت علماء پاکستان، علامہ محمد عمر نعیمیؒ، مفتی ظفر علی نعمانیؒ،

مولانا قاری محبوب رضا خانؒ اور مولانا عبدالسلام باندویؒ شامل تھے۔

لائلپور (فیصل آباد) کے لیے تابوت شاہین ایکسپریس کے ذریعے روانہ ہوا تو ہر اسٹیشن پر سوگواروں کا ہجوم منتظر تھا۔ جو درود و سلام کے گجرے اور پھولوں کے ہار نچھاور کرتے۔ عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ جن اسٹیشنوں پر گاڑی کا سٹاپ نہ تھا، وہاں لوگ پھولوں کے ہار گاڑی کی طرف پھینک دیتے اور ہدیہ درود و سلام اور نعت خوانی کا تحفہ پیش کرتے۔ جب تابوت فیصل آباد پہنچا تو ایک جمِ غفیر آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ منتظر تھا۔ جب جنازہ کچہری بازار میں داخل ہوا تو اپنوں بیگانوں سب نے دیکھا کہ آسمان سے انوار کا نزول ہو رہا ہے اور انوار و تجلیات کی بارش رِم جھم رِم جھم برس رہی ہے۔ گھنٹہ گھر کے قریب جنازہ نور کے ہالے میں اس طرح سے گم ہوا کہ نگاہوں سے بھی کچھ دیر اوجھل رہا۔ نور کی اس بارش کو لاکھوں افراد نے دیکھا۔ اخبارات نے بھی اس کا ذکر اپنی اشاعت میں کیا۔

روزنامہ عوام کے ایڈیٹر خلیق قریشی نے لکھا:

> ''یہ امر واقعہ ہے کہ ایک نوجوان نے بہت سے لوگوں کی اس طرف توجہ دلائی جن میں میں بھی شامل تھا۔ مولانا الحاج محمد سردار احمد مرحوم و مغفور کا تابوت جب کچہری بازار پہنچا تو تابوت کے اوپر باقاعدہ نور کی چمک اور نورانی لہریں نظر آ رہیں تھیں۔ یہ روشنی اور اس کا عکس پر نور ایک خاص حیطہ کے اندر تمام راستہ موجود رہا''۔

(31-12-1962) روزنامہ عوام۔

مشہور شاعر جناب عزیز حاصل پوری نے اس واقعہ کی منظر کشی اس انداز میں نظم کی:

جا رہا ہے سوئے جنت کون رخشندہ مقام؟

کر رہے ہیں آج کس کو آسمان والے سلام؟
عازمِ ایوانِ رحمت کون ہے مستِ ازل؟
کیوں لنڈھائے جا رہے ہیں خلا میں کوثر کے جام؟
مرکزِ انوارِ رحمت آج کس کی ذات ہے؟
پھول بخشش کے بچھائے جا رہے ہیں گام گام؟
ہے یقیناً یہ کوئی عالی نظر، بطلِ جلیل
خیر مقدم کے لیے جس کے ہے اتنا اہتمام
قوم کے سردار، لائل پور کے ہیں شیخ الحدیث
تھی تیری ذاتِ گرامی لائق صد احترام

نمازِ جنازہ دھوبی گھاٹ کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ امامت کے فرائض شہید اہلسنت علامہ عبدالقادر احمد آبادی نے ادا کئے۔ بلا مبالغہ یہ جنازہ فیصل آباد کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ جنازہ کی ادائیگی کے بعد میت سنی رضوی مسجد کے احاطے میں لائی گئی اور گھر والوں اور پھر عشاق کو زیارت کرائی گئی۔ یہ منظر قابل دید تھا کہ آپ کا چہرہ انور نور سے جگمگا رہا تھا۔ اور لبوں پر تبسم نمایاں تھا۔

علامہ معراج الاسلام، شیخ الحدیث ادارہ منہاج القرآن انٹرنیشنل اس سارے ایمان افروز منظر کی عکاسی کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

> ”جب تابوت مبارک گھر لا کر کھولا گیا تو حاضرین ایک مرتبہ پھر دنگ رہ گئے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی ایک آنکھ کھلی تھی۔ اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کچھ مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ جسم نرم و نازک اور چہرہ ترو تازہ تھا، ہونٹوں پر ملکوتی تبسم کھیل رہا تھا، اور

رنگت پہلے سے زیادہ سرخ وسفید اور پر کشش تھی‘‘۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

’’وصال فرمائے ہوئے دو دن اور دو راتیں بیت چکی تھیں مگر پھولوں میں سجا ہوا چہرہ خود بھی پھول لگ رہا تھا۔ اس حسن و جمال پر لوگ فریفتہ ہو رہے تھے۔ اور چاہتے تھے محبوب بندے کی آخری بار زیارت کر لیں۔ جب بھیڑ چھٹتی نظر نہ آئی تو جامع مسجد کے پہلو میں سرِ شام دفن کر دیا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث کے مبارک جنازے کی تاریخی شان وشوکت کی ایک دنیا گواہ ہے لوگ ابھی تک اس حسین و پُر نور منظر کو نہیں بھولے اور چشمِ تصور میں اس کے نورانی جلوے بسائے ہوئے ہیں۔

(محدثِ اعظم پاکستان: شائع کردہ انجمن طلباء اسلام فیصل آباد)

سنی رضوی جامع مسجد کے پہلو میں خوبصورت اور جاذبِ نظر سفید سنگِ مرمر سے تعمیر کردہ مزارِ مبارک آج مرجع اخلاق اور منبع فیض و برکت ہے۔

وہ محدث، وہ محقق، وہ فقیہ
عالمِ عالمِ ہدیٰ جاتا رہا
اس زمانے کا محدث بے مثال
جس کا ثانی ہی نہ تھا، جاتا رہا
چل بسا دنیا سے استادِ شفیق
مایۂ لطف و عطا جاتا رہا
رہبرِ راہ ہدیٰ تھا لا کلام
سنیوں کا مقتدیٰ جاتا رہا

غوثِ اعظم خواجہ اجمیر کا
وہ مجسّم فیض تھا جاتا رہا
پیکر رشد و ہدیٰ تھا بالیقیں
مظہر احمد رضؔا تھا جاتا رہا

حضرت محدثِ اعظم پاکستان کی شخصیت مختلف اوصاف کا مجموعہ تھی۔ آپ زہد وتقویٰ کا پیکر تھے، خلوص وللّٰہیت آپ کا خاصہ تھی۔ دین سے شغف اور وعظ وتبلیغ آپ کا مشن تھا۔ لیکن جس وصف نے آپ کو جاودانی امتیاز بخشا وہ ہے عشقِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

عشقِ رسول ﷺ خوشبو بن کر آپ کے رگ وپے میں مہکتا تھا۔ آپ کے شب وروز ذکرِ حبیب خدا ﷺ میں گزرتے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں جلوۂ حسنِ مصطفیٰ ﷺ کی چمک نظر آتی تھی۔ یہ عشقِ رسول ﷺ ہی آپ کی پہچان ہے۔

راقم الحروف اپنی پچاس سالہ زندگی میں سینکڑوں عاشقانِ رسول ﷺ سے ملا ہے۔ بیسیوں علماء کرام اور مشائخ عظام سے فیض پایا ہے اور ان سے گفتگو کا موقع میسر آیا ہے۔ مجھے اہلِ محبت میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس کے سامنے حضرت قبلہ محدثِ اعظم پاکستان کا ذکر کیا جائے اور اس کی آنکھیں روشن نہ ہوں، اس کا چہرہ کھل نہ اُٹھے اور اس کا جسم خوشی وکیف ومستی سے جھومنے نہ لگے۔ سب غلامانِ رسول ﷺ اس عظیم عاشقِ رسول ﷺ کا ذکر انتہائی پیار، محبت اور عقیدت سے کرتے ہیں۔

خود میرے والد گرامی مرحوم علامہ سردار احمدؒ کا ذکر کر کے خوشی سے جھوم جاتے۔ ہمارے پیر ومرشد بابا جی جلال الدین قادریؒ کے بھتیجے اور موجودہ سجادہ نشین پیر فضا دستگیر کے والد ماجد قبلہ ضیا دستگیر مرحوم ہمیشہ حضور محدثِ اعظمؒ کے عرس کے موقع

پر فیصل آباد تشریف لاتے اور ہمارے غریب خانے پر قیام فرماتے، عرس میں شریک بھی ہوتے اور علماء کے بیان بھی شوق سے سنا کرتے مجھے بھی ان کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوتا۔ راقم دورِ طالب علمی میں انجمن طلباء اسلام کی جانب سے لگائے گئے بک سٹال اور کیمپ میں شامل ہوتا اور مجھے ملک بھر سے آئے علماء کرام اور مشائخ عظام سے ملاقات کا شرف بھی ملتا۔ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ مجھے یہ کہنے میں عار نہیں عشقِ رسول ﷺ کی دنیا میں جس قدر اونچا مقام حضور محدثِ اعظم کا ہے، دورِ حاضر میں کسی اور کو یہ مرتبہ نہیں ملا۔ انہیں عصرِ حاضر کا بلالؓ، اویسؒ اور جامیؒ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اسی حوالے سے علامہ معراج الاسلام لکھتے ہیں:

> ’’حضور ﷺ کا عشق اور آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ والہانہ لگاؤ ہی آپ کی زندگی کا سرمایہ تھا۔ تصور میں ہر وقت ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے جلوے بسے رہتے۔ نگاہوں میں مدینے کے در و دیوار گھومتے رہتے۔ تذکارِ حبیب ﷺ کے سوا محفل میں کوئی دنیاوی بات نہ ہوتی تھی۔ حدیثِ پاک پڑھاتے ہوئے جھوم جھوم کر محبوب کی باتیں سناتے۔ خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ پہلی ہی نشست میں نو وارد کا سینہ عشقِ رسول ﷺ سے بھر دیتے اور وہ سوز وگداز عطا کرتے کہ ساری زندگی مزے لیتا رہتا۔ آپ کے حلقہ درس و وعظ کی یہی خصوصیت تھی۔ سادہ سی باتیں ہوتی تھی مگر ان میں رچاؤ اور خلوص ایسا ہوتا تھا کہ سننے والا سرور و مستی میں ڈوب جاتا‘‘۔

(محدثِ اعظم پاکستان: شائع کردہ انجمن طلباء اسلام فیصل آباد)

حضرت محدثِ اعظم کے عشقِ رسول ﷺ کا نکتہ کمال اس وقت نظر آتا

جب آپ درسِ حدیث دینے کے لیے دارالحدیث میں آتے۔ دارالحدیث میں آنے سے پہلے غسل یا وضو کرتے، اعلیٰ صاف ستھرا لباس پہنتے، عمامہ شریف پہنتے، خوشبو لگاتے اور یوں محسوس ہوتا کہ آپ کسی بہت بڑی شخصیت سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں۔ درس میں آ کر اپنی نشست پر تشریف رکھتے اور پھر گویا دنیا سے بیگانہ ہو کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو جاتے۔ آغاز میں قصیدہ بردہ شریف کے اشعار پڑھتے اور ساتھ ساتھ طلباء بھی پڑھتے۔ درسِ حدیث دیتے ہوئے آقا و مولا ﷺ کی کیفیت اور واردات کو اپنے اوپر طاری کر لیتے۔ اگر کہیں نبی کریم ﷺ کے مسکرانے اور تبسم فرمانے کا ذکر آتا تو خود بھی مسکراتے اور طلباء سے بھی فرماتے کہ تم بھی مسکراؤ یا ایسی صورت ہی بنا لو۔ اگر کہیں کریم آقا ﷺ کے رونے کا تذکرہ آتا تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ اگر کہیں حضور ﷺ کے غمگین ہونے کا ذکر ہوتا تو خود بھی غم و اندوہ کی تصویر بن جاتے۔

یہ عشقِ رسول ﷺ کی فراوانی ہی تھی کہ دیارِ حرمین کے سفر کے لیے دوسری بار جانے کا ارادہ کیا تو ایک طالب علم نے اعلان کر دیا کہ آپ حج کے لیے عنقریب جا رہے ہیں۔ تو آپ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا:

> ”تمہیں معلوم ہے ہم فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں۔ اب ہمارے ذمے وہ فرض باقی نہیں۔ اس دفعہ تو صرف دربارِ رسالت کی حاضری اور گنبدِ خضرا کی زیارتِ پاک کی نیت سے جا رہے ہیں۔ اس مقدس حاضری کے صدقے میں ارکانِ حج اور دیگر عبادات کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی، اس لیے یہ اعلان کرو کہ ہم حضور نبی کریم، رؤف و رحیم، پیکرِ نور و رحمت، تاجدارِ عرب و عجم، محبوب ربّ العالمین ﷺ کے دربار کی حاضری کے

لیے جا رہے ہیں''۔ (روشن ستارے: از نور الزمان نوری صفحہ:65)

حضرت محدثِ اعظمؒ جب خطبہ جمعہ یا اپنے وعظ اور تقریر کا آغاز فرماتے تو نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے القاب کا ایک گلدستہ پیش کرتے جس سے سامعین وحاضرین کے دل جھوم جھوم اُٹھتے۔ آپ اپنے خطبے کا آغاز کچھ اس انداز میں کرتے:

> ''شفیع معظم، سرکارِ دو عالم، رحمتہ للعالمین، خاتم النبین، شبِ اسریٰ کے دولہا، میرے اور آپ کے پیارے آقا ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں جھوم جھوم کر تین تین بار ہدیہ درود وسلام پیش کرو''۔

الغرض ان جیسا عاشقِ رسول ﷺ دورِ حاضر میں ناپید ہے۔

حضرت محدثِ اعظمؒ نے علم وعرفان کے جام لنڈھانے اور دین کی تعلیم وتدریس کا نور پھیلانے کے لیے بہت سے دینی مدارس قائم فرمائے۔ جن میں دارالعلوم مظہر الاسلام بریلی شریف، جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد، جامعہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد شامل ہیں۔ جبکہ آپ کے تربیت یافتہ شاگردوں نے پورے ملک میں دینی جامعات کا ایک نیٹ ورک پھیلا دیا۔ ان جامعات میں جامعہ رضویہ سبز منڈی راولپنڈی، جامعہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعہ غوثیہ گلبرگ لاہور، جامعہ امجدیہ کراچی، جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد، جامعہ رضویہ سکھر نمایاں ہیں۔ ان جامعات نے علمِ دین کے فروغ کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ حضرت صاحبؒ کے تربیت یافتہ فضلاء جامعہ اور خلفاء میں سے جن بیسیوں نے نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ ان میں مفتی محمد امین، علامہ عبدالقادر شہید اہلسنت، مولانا معین الدین شافعیؒ، مولانا عبدالقیوم ہزاروی، مولانا سید حسین الدین شاہ، مفتی غلام سرور قادری، پیر علاؤالدین صدیقی، علامہ عبدالرشید جھنگوی، علامہ فیض احمد اویسیؒ، شیخ الحدیث غلام رسول، علامہ محمد ابراہیم

خوشتر (جنوبی افریقہ) شامل ہیں۔ آپ نے شہر بھر میں بہت سی مساجد کی بنیاد رکھی اور انہیں تعمیر کروایا جن میں شاہی مسجد فیصل آباد، سنی رضوی جامعہ مسجد، بغدادی جامع مسجد، جامع مسجد ابرار ریل بازار شامل ہیں۔ آپ کی اولادِ امجاد میں پیر فضلِ رسول مدّ ظلہ العالی سجادہ نشین ہیں اور تبلیغی و دینی مساعی کے سرپرست ہیں۔ آپ کی کاوشوں سے مرکزی سنی رضوی مسجد کی تعمیر پایہ تکمیل کو پہنچی، حضرت محدثِ اعظمؒ کا مزار پرانوار خوبصورت انداز میں تعمیر ہوا، چنیوٹ کے قریب رضا نگر میں وسیع وعریض رقبے پر مشتمل محدثِ اعظم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اور بہت سے رفاہی وفلاحی منصوبے جاری ہیں۔ دوسرے صاحبزادے حاجی فضل کریم مدّ ظلہ العالی سیاست کے میدان میں عوام اہلسنت کے نمائندے اور ملت اسلامیہ کے قائد ہیں۔ وہ جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ، سنی اتحاد کونسل کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ وہ 8/اپریل 2013ء کو پیر کے دن وفات پا گئے۔

آخر میں مضمون کو سمیٹتے ہوئے حضور محدثِ اعظمؒ کی نجی زندگی اور گھریلو اندازِ زیست کے حوالے سے ایک عفیفہ، صالحہ اور نیک خاتون کے تاثرات بیان کرتے ہیں، جو سالہا سال تک بچپن سے جوانی تک آپ کے زیرِ سایہ پرورش پاتی رہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں:

> ”حضور محدثِ اعظمؒ بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔ تکلفات اور رکھ رکھاؤ سے کوسوں دور تھے۔ بان کی چارپائی جس پر بستر یا چادر بھی نہ ہوتی، وہاں تشریف فرما ہوتے۔ بعض اوقات پیاز کے ساتھ روٹی کھا لیتے، بچوں سے بہت شفقت اور پیار کرتے، ہم چھوٹے بچے ان کے حجرے میں گھس جاتے تو پیار سے بلاتے اور بہت محبت کا اظہار کرتے۔ اچھے کھانوں کو پسند کرتے اور ہم پکانے والی بچیوں اور خواتین

> کی بہت حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے۔ درس سے فارغ ہو کر آتے تو لوگ بھی ساتھ ساتھ ان کی رہائش گاہ تک آ جاتے۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی دید کی پیاس نہ بجھتی۔ آپ دروازے پر کھڑے ہو کر ان سے مسکرا کر گفتگو فرماتے رہتے۔ آپ کا چہرہ مبارک بہت پُر نور اور بارعب تھا۔ جس پر نظر ٹھہرتی نہیں تھی۔ شریعت کی پاسداری میں کسی کو تصویر بنانے کی اجازت نہ ہوتی۔ عید میلاد اور دیگر ایام بزرگانِ دین کا اہتمام بہت شان وشوکت سے کرتے۔ باہر سے تشریف لانے والے معزز علماء کرام اور مشائخ عظام کے لیے کھانے کا پر تکلف اہتمام کرتے۔ سب لوگوں سے ہمیشہ مسکرا کر بات کرتے۔ کسی سے ناراض نہ ہوتے البتہ بدعقیدہ اور گستاخ فرقوں کے لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھتے، بلکہ ان سے مصافحہ بھی نہ کرتے۔ کیونکہ آپکی دشمنی اور دوستی کا معیار صرف اور صرف ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی اور محبت ہی تھا‘‘۔

آپ نے دینِ متین کی تبلیغ واشاعت کا کام اخلاص اور بے لوث انداز سے کیا۔ مال ومتاع کی طلب اور خواہش جاہ ومنصب آپ کے پیش نظر کبھی بھی نہ تھی۔ ایک بار ایک جلسہ کے سلسلہ میں نواب شاہ تشریف لے گئے۔ حافظ احسان الحق اور سید غلام محی الدین گیلانی اوکاڑوی بھی ہمراہ تھے۔ منتظمین جلسہ نے کسی قسم کے زادِ راہ یا کرائے وغیرہ کے حوالے سے خدمت نہ کی۔ واپسی پر شاہ صاحب نے شکوہ بھرے انداز میں کہا کہ انہوں نے کسی قسم کی خدمت نہیں کی۔ حضرت محدثِ اعظمؒ نے بڑے پیار سے فرمایا:

> ’’شاہ صاحب! علماء پر تبلیغ فرض ہے، لوگ جلسوں کا اہتمام کر کے علماء کو تبلیغ کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر بالفرض عوام جلسوں کا انعقاد نہ کریں تو بھی

علماء پر خود جلسوں کا اہتمام کر کے تبلیغ کرنا فرض ہے۔ عوام سے نقد خدمت کی توقع نہ رکھو بلکہ غنیمت جانو کہ انہوں نے ایک گونہ آپ کا بار اٹھایا ہوا ہے''۔ (روشن ستارے:59)

اسی طرح ایکبار اندرون شہر کسی نے محفلِ میلاد کے حوالے سے آپ کو مدعو کیا۔ محفل کے بعد منتظمین نے آپ کی طرف توجہ نہ دی۔ آپ خود ہی واپس پیدل چل پڑے۔ ایک طالب علم بھی ہمراہ تھا۔ اس نے کہا کہ حضور کیسے لوگ ہیں، انہوں نے تانگے کا بھی اہتمام نہیں کیا۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے کہا:

> ''بندۂ خدا کیا کہا؟ انہوں نے میلاد النبی ﷺ کے جلسہ کا اہتمام کیا اور ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے اس فقیر کو بلایا یہ ان کا تھوڑا احسان ہے؟ اگر وہ چاہتے تو آپ ﷺ کے ذکرِ خیر کے لیے کسی اور کو بلا لیتے''۔

(روشن ستارے:59)

آپ جامعہ سے فارغ ہونے والے طلباء کو نصیحتوں سے نوازتے جس کا مفہوم اس طرح سے ہوتا:

> ''آج تم طلباء ہو اور کل تمہارے سروں پر دستارِ فضیلت باندھی جائے گی۔ اور تم علماء دین کہلاؤ گے۔ کل سے تم پر کچھ نئی ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی۔ دیکھنا کہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ اگر تم نے دامنِ مصطفیٰ ﷺ تھامے رکھا تو دنیا تمہارے قدموں میں آئے گی۔ اور اگر طمع اور لالچ میں پڑ گئے تو ذلیل ہو جاؤ گے''۔

حضرت محدثِ اعظم پاکستان کو حضرت داتا گنج بخش ؒ سے گہری محبت تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی عقیدت کا محور بغداد شریف، لاہور، اجمیر اور بریلی تھے تو بے

جانا ہوگا۔ آپ کا معمول تھا کہ لائل پور سے ہر قمری ماہ کی پہلی جمعرات کو لاہور جا کر حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے۔ شاہدین بتاتے ہیں کہ آپ جب لاہور پہنچتے تو داتا دربار کے احاطے میں بہت سے علماء کرام، طلبا اور زائرین قطار بنا کر آپ سے مصافحہ کرنے کے لیے جمع ہوتے اور یوں داتا صاحب اپنے اس عظیم دیوانے کو عزت و شرف سے نوازتے۔ آپ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو بھی یہ تاکید کرتے کہ لاہور جاؤ تو داتا صاحب حاضری ضرور دو۔

مزارات پر غیر شرعی حرکتوں کی ممانعت آپ کے پیشِ نظر رہی۔ ایک مرتبہ آپ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ آپ مزار کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگ رہے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا اور دربار شریف کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا۔ آپ نے دعا چھوڑ کر اسے تنبیہ فرمائی۔ کہ سجدہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے روا ہے۔ مخلوق میں کسی کو سجدہ روا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو معبود سمجھ کر سجدہ کرے تو کفر ہے اگر اسے معبود نہ سمجھے صرف تعظیم کے لیے سجدہ کرے پھر بھی ہماری شریعت میں حرام اور ممنوع ہے۔ مزید آپ نے دربار شریف کے منتظمین سے کہا کہ اس مضمون کی تختی بنوا کر یہاں لگائی جائے جس پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہو۔ ”مزارات کو سجدہ کرنا جائز نہیں“۔ (روشن ستارے:58)

سرمایۂ زیست

جیسا کہ ایک عالم جانتا ہے کہ قبلہ حضرت محدثِ اعظم پاکستانؒ کی شخصیت علم و فضل، زہد و تقویٰ، اخلاص اور عشقِ رسول ﷺ کے حسن سے آراستہ تھی۔ یہ سب کمالات آپ کے شاگردوں اور خلفاء میں بھی بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اسی لازوال نور سے کچھ کرنیں ہمارے قلب و جگر پر بھی پڑی ہیں، جن کو ہم نے سرمایۂ زیست بنا کر دل کے نہاں خانوں میں سجالیا ہے کہ یہ اس زندگانی میں بھی کیف و سرور اور حلاوت کا

باعث ہے تو آخرت میں بھی فلاح و کامرانی کا یقینی وسیلہ ہے۔

میں چھٹی ساتویں جماعت کا طالب علم تھا تب سے جمعہ پڑھنے کے لیے اپنے دوست محمد طاہر تبسم کے ہمراہ سنی رضوری جامع مسجد میں جایا کرتا تھا۔ جو ہمارے گھر سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں اس وقت علامہ عبدالرشید جھنگویؒ (پروفیسر طاہر القادری کے ابتدائی استاد) خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے۔ وہ علم وتحقیق کا سمندر تھے۔ ان کی باتیں بہت گہری اور علمی سطح کی ہوتی تھیں۔ جو ہم جیسے بچوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ لیکن ان کا جلال اور پرنور چہرہ دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا تھا۔ ہم جمعہ کے بعد حضور محدثِ اعظم کے مزار پر حاضری بھی دیتے اور دعا بھی مانگتے۔ مسجد اور مزار شریف کے تعمیری مراحل رکے ہوئے تھے۔ اور محسوس ہوتا تھا کہ شاید یہ دوبارہ جلدی شروع بھی نہ ہوں۔ آپ کے مزار پر ایک تقدس، ایک وقار اور ایک پرکیف فضا طاری رہتی تھی۔ انوار کا سلسلہ ہم اپنے دل میں اترتا بھی محسوس کرتے تھے۔

ہم حضرت محدثِ اعظمؒ کے عرس مبارک کی تقریبات میں باقاعدگی سے شامل ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ عرس کے موقعہ پر پاکستان کے مختلف علاقوں سے علماء کرام اور مشائخ عظام بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ جن کی پرجوش اور مبنی برحکمت تقاریر سن کر دلوں میں عشقِ رسول ﷺ کا سمندر موجزن ہوتا تھا۔ حضرت محدثِ اعظمؒ کے زمانے میں بریلی شریف، کراچی اور ملک کے دوسرے حصوں سے علماء و مشائخ تشریف لاتے تھے۔ میں نے جن علماء کرام کی تقاریر سنی ان میں غزالی دوراں علامہ احمد سعید کاظمیؒ، قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی، مجاہدِ ملت علامہ عبدالستار خاں نیازی، علامہ عبدالشکور ہزاروی، حاجی حنیف طیب، علامہ شبیر حسین حافظ آبادی جیسے اکابرین شامل ہیں۔

انجمن طلباء اسلام کی طرف سے عرس کے موقعہ پر بک سٹال اور تعارفی کیمپ لگایا جاتا تھا۔ جس میں کسی دینی ادارے سے کتابیں لیکر فروخت کی جاتیں اور اس میں سے جو آمدنی ہوتی وہ ATI کے فنڈ کے لیے استعمال ہوتی یا کچھ کتابیں خرید کر مرکز یا یونٹوں کی لائبریریوں کے لیے رکھ لی جاتیں۔ ان کیمپوں میں بھی علماء کرام، معززین شہر اور طلباء آیا کرتے تھے۔ ایک سال مجھے بھی یہ اعزاز ملا کہ میں اس کیمپ کا انچارج بنا۔ یہ سارا سلسلہ حضرت محدثِ اعظمؒ سے عقیدت اور وابستگی بڑھانے کا ذریعہ بنا۔ ہم طلباء کیمپ بند کر کے رات کے پچھلے پہر آپ کے مزار اقدس پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اکثر اوقات ہمارے قائدین میں سے بھی کوئی نہ کوئی موجود ہوتا تھا۔

مجھے کئی بار جامعہ رضویہ مظہر الاسلام کی تقریبات اور سیمینارز میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ کئی بار بطور مقرر یا مہمان خصوصی بلایا گیا ہوں۔ ایسا موقع پر میں سعادت سمجھ کر جاتا ہوں۔ وہاں کے (بزم طلباء) کی جانب سے منعقد پروگراموں میں بھی بیان کا موقعہ ملا ہے۔

اسی زمانے میں غالباً 1980ء کی بات ہے، مجھے مفسرِ قرآن پیر محمد کرم شاہؒ کو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں منعقد میلاد کانفرنس کی صدارت فرمانے کے لیے دعوت دینے کی خاطر بھیرہ شریف جانا پڑا۔ وہاں شیخ الحدیث علامہ معراج الاسلام (جو اب جامعہ منہاج القرآن لاہور کے شیخ الحدیث ہیں) سے ملاقات ہوئی۔ ان سے گہرا تعلق نکل آیا۔ وہ حضرت محدثِ اعظمؒ پاکستان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان سے میں نے آپ کی زندگی پر مبنی مضمون لکھنے کا تقاضا کیا۔ جو انہوں نے تحریر کر کے دیا اور یہ مضمون انجمن طلباء اسلام فیصل آباد کی جانب سے شائع کر کے مفت تقسیم کیا گیا۔ تلاش بسیار کے بعد مجھے اپنی لائبریری میں سے اس پمفلٹ کی ایک کاپی مل گئی جو ان شاء اللہ جلد ہی دیگر منتخب مضامین کے ہمراہ شائع کر دی جائے گی۔ یہ بھی ایک

سعادت ہے جو میری عقیدت، وابستگی اور لگن کا مظہر ہے۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے حاجی فضل کریم سے تعلق 1977ء سے ہی ہے جب وہ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے ہراول دستے میں شامل تھے۔ اور ظلم و تشدد کے باوجود غاصب اور آمر حکومت کے خلاف آوازِ حق بلند کر رہے تھے۔ اب ماشاءاللہ اہل سنت کے متفقہ قائد، سنی اتحاد کونسل کے سربراہ اور جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی صدر ہیں۔ ان کا جرأت مندانہ کردار تاریخ کا حصہ ہے۔ آپ نے تعصب، تشدد اور دہشت گردی کی بنیاد پر بننے والے سازشی عناصر طالبان وغیرہ کے خلاف زوردار انداز میں آواز اٹھانے کا فریضہ انجام دیا۔ ان کی مساعی اور جدوجہد کا محور ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ ہے۔ قبلہ حاجی صاحب سے تعلق اس طرح سے ہے کہ جب بھی میرے کلینک کے قریب سے گزریں تو رک کر میرے پاس تشریف لاتے ہیں اور سکِن کا کوئی مسئلہ ہو تو مشورہ لینے کے لیے مجھ سے رابطہ کرتے ہیں۔

بچپن میں جامعہ رضویہ کے علاوہ جمعتہ المبارک پڑھنے کا زیادہ اتفاق جامع مسجد بغدادی دارالعلوم نوریہ رضویہ گلبرگ فیصل آباد میں ہوتا تھا۔ جو ہمارے گھر سے کچھ ہی دور ہے۔ عیدین بھی اکثر ہم یہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ اس ادارہ کی بنیاد خود حضرت محدثِ اعظمؒ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ اس کے بانی اور منتظمِ اعلیٰ حضرت علامہ سید زاہد علی شاہ صاحبؒ تھے۔ جو بہت نورانی شخصیت کے مالک تھے اور جن کے قول و فعل میں عشقِ رسول ﷺ کی مستی رچی بسی تھی۔ ان کی شیریں آواز اور میٹھا لہجہ آج بھی دلوں میں کیف و سرور بھرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دلوں میں ادب واحترام مصطفیٰ ﷺ کا بیج بونے اور عشقِ رسول ﷺ کا پودا اگانے میں انہی کا زیادہ کردار ہے۔ ہم تو اکثر تراویح بھی بغدادی مسجد میں پڑھنے آتے تھے۔ اب ماشاءاللہ

ان کے صاحب زادے علامہ سید ہدایت رسول شاہ صاحب بہت احسن انداز میں دارالعلوم نوریہ رضویہ کو چلا رہے ہیں۔ وہ منہاج القرآن یونیورسٹی لاہور کے فاضل ہیں اور محترم پروفیسر طاہر القادری کے دستِ راست ہیں۔

حضرت محدثِ اعظمؒ علامہ سردار احمدؒ کے دو اولین شاگردوں اور خلفاء مولانا معین الدین شافعی قادری اور مولانا عبدالقادر شہید اہلسنت سے اور مؤخر الذکر کے صاحبزادے محترم عطاء المصطفیٰ نوری سے میرے تعلق اور عقیدت کو پینتیس (35) سال ہو چکے ہیں اور دن بدن یہ تعلق اور رابطہ پہلے کی نسبت گہرا ہی ہوا ہے۔ مولانا معین الدین قادریؒ بہت نفیس، وضعدار، حلیم الطبع، مہمان نواز اور سلفِ صالحین کی تصویر تھے۔ ان کے چہرے کی زیارت کر کے ایمان تازہ ہوتا تھا۔ میں بہت سے مسائل ان سے پوچھا کرتا تھا اور اپنا ذہن واضح کر لیا کرتا تھا۔ ہمیشہ صاف ستھرا لباس اور سر پر گہرے براؤن رنگ کا عمامہ پہنا کرتے تھے۔ لوگ مسائل، فتاویٰ اور دعا کے لیے آتے رہتے اور سب کی بات توجہ سے سنا کرتے۔ میں جب حاضری کے لیے جاتا تو فرماتے ہمارے ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔ پھر اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر لاتے۔ کیونکہ ان کی اہلیہ کافی عرصہ پہلے وصال کر گئی تھیں۔ اور بیٹا وحید الرضا ابھی چھوٹا تھا۔ مولانا معین الدین نے مولانا عبدالقادر کی شہادت کے بعد اس ادارہ کی بنیاد رکھی اور اپنے دوست اور کلاس فیلو کی بے یارو مددگار فیملی کو سہارا دیا اور بچوں کی پرورش کا حق ادا کر دیا۔ یاد رہے وہ خود بمبئی کے علاقے سے حصول تعلیم کے لیے حضرت محدثِ اعظمؒ کی محبت میں کھنچے چلے آئے تھے جبکہ مولانا عبدالقادر احمد آباد گجرات کے ایک بڑے عالم دین اور شیخِ طریقت کے صاحبزادے تھے جن کو حضرت محدثِ اعظمؒ نے اپنی مراد بنا کر ان کے والدین سے مانگ لیا تھا۔

اب دونوں دوستوں کی قبریں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ مجھے یہ فخر ہے کہ وہ

میری والدہ کے جنازے میں شامل ہوئے تھے۔ اور دفن تک قبر کے پاس پڑھتے رہے تھے۔ حالانکہ اس دن عید الفطر تھی اور ان کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں۔

مولانا عبد القادر کے صاحبزادے علامہ عطاء المصطفیٰ نوری فیصل آباد کے دینی حلقوں میں سب سے متحرک، فعال اور مخلص ترین شخصیت ہیں۔ انہوں نے جامعہ قادریہ رضویہ جیسے چھوٹے ادارے کو ایک یونیورسٹی کے روپ میں لا کھڑا کیا ہے۔ سینکڑوں کمروں اور کئی منزلوں پر مشتمل جامعہ کی بلڈنگ ان کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ان کی کاوشوں کا حسین ثمر ہے۔ ان کی زیرِ نگرانی جامعہ مسجد طیبہ کی خوبصورت عمارت اور مزار شریف کی تکمیل کے علاوہ اس وقت سے بہت سے پروجیکٹ چل رہے ہیں۔ جن میں مصطفائی گرلز کالج، AIMS سکول سسٹم جس میں اے لیول اور او لیول کی تعلیم انتہائی کم فیس میں دی جاتی ہے۔ بچیوں کے لیے بہت بڑا مدرسہ اور ہوسٹل، سینکڑوں یتیموں اور بیواؤں کے لیے ماہانہ راشن، غریب، یتیم بچیوں کی اجتماعی شادیاں اور جہیز کا انتظام ۔، دینی کتب کی اشاعت اور مفت تقسیم کا اہتمام جیسے اہم پروگرام شامل ہیں۔

نوری بھائی سے بہت سے مسائل اور حالات و واقعات پر گفتگو ہوتی ہے۔ میں ان سے ہمیشہ فیض پاتا ہوں۔ میرے گھر میں اِکیس (21) سالوں سے مسلسل سالانہ محفل میلاد ہو رہی ہے، نوری بھائی تقریباً ہمیشہ آتے ہیں اور اپنے خطاب اور خوبصورت نعتوں سے میرے گھر کو مہکاتے ہیں۔ میں جب عارضۂ قلب کی وجہ سے بیمار ہوا تو وہ اور ان کی پوری فیملی دعا گو رہی اور بی بی جان اور دیگر اہلِ خانہ میری عیادت کے لیے ہسپتال میں آئے اور ڈھیروں دعائیں دیں۔

میں سمجھتا ہوں یہ سارا فیضان حضرت محدثِ اعظمؒ کا ہی ہے۔ جس نے میری زندگی کے اندھیروں میں نور پھیلایا ہے اور میرے وجود کو عشقِ رسول ﷺ کی خوشبو

سے مہکایا ہے۔

میری یہ دعا ہے کہ حضور قبلہ محدثِ اعظم پاکستانؒ کا فیضان اسی طرح جاری وساری رہے اور ہمارے روز وشب کو ایمان کی روشنی سے منور کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اور وسیلے سے آپ کی قبرِ انور پر انوار وتجلیات کی بارش نازل کرتا رہے اور ان کے درجات کو مزید بلند کرتا رہے۔ (آمین)

❋……❋……❋